"ووجدک ضالا فھدٰی" کی تعبیرات میں اختلاف وتطابق: منتخب اردو تراجمِ قرآن کا مطالعہ

(Difference and Consensus in the Interpretations of "ووجدک ضالا فھدٰی": A Study of Selected Urdu Translation of the Quran)

* حافظ محمد طاہر المصطفیٰ

** ڈاکٹر حافظ محمد عبد القیوم

Abstract

Qur'ānic exegesis approaches differently in interpreting the verses related to scholastic issues like attributes of Allah, honor of the prophets, etc. The reasons for these differences could be the difference of interpretation, implementation of *Qur'ānic* sciences, understanding of the environment of a revelation and inclination of translators towards their specific schools of thought. In the Indian subcontinent, a notable difference, in the various translations, can be observed from referred perspective. This article deals with the difference and consensus regarding the interpretations of the *Qur'ānic* words: "**ووجدک ضالا فھدٰی**"in the light of selected Urdu translations of the Quran.

Keywords: *Qur'ānic* exegesis, **ووجدک ضالا فھدٰی**, Urdu translations of the Quran

قرآن حکیم کے مختلف الفاظ کی تعبیر و تشریح میں اختلاف کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ عصرِ صحابہ اور مابعد ادوار میں اہلِ علم کے یہاں ان اختلافات سے متعلق واضح روایات ملتی ہیں۔ یہی اختلافات بعد میں مختلف زبانوں میں سامنے آنے والے تراجمِ قرآنی میں بھی نمایاں ہوئے۔ برصغیر میں قرآن کے اردو تراجم میں بھی یہ اختلافات ظہور پذیر ہوئے۔ برصغیر میں تراجم وتفاسیر کے

---

* پی ایچ ڈی اسکالر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونی ورسٹی لاہور/لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، یونی ورسٹی آف سیالکوٹ

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور

شواہد تیسری صدی ہجری سے ملتے ہیں، مگر اوّلین [1] مکمل اردو ترجمہ قرآن مع مختصر حواشی،"موضح قرآن" از شاہ عبد القادر دہلوی[2] (متوفیٰ1814ء)،1829ء میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔[3] بعد ازاں، اردو زبان میں تراجم قرآن کا ایک سلسلہ جاری ہوا جو کہ ہنوز جاری ہے۔ اردو ترجمہ قرآن کی تاریخ، اسباب، مقاصد، مختلف تراجم کے تعارف اور تقابل پر کتب و مقالات تحریر کیے گئے۔ ان کتب و مقالات سے یہ نتائج اخذ کیے گئے کہ الفاظِ قرآن میں معانی کی جامعیت ووسعت، اردو زبان کی محدودیت، شان نزول، سیاق وسباق، لغت، کلام اور ذوق جیسے رجحانات کے ترجمہ پر اثرات مرتب ہوئے۔[4] سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات جن میں ایمان باللہ، ایمان بالرسالت، تصور معاد ومغیبات کی مباحث پائی جاتی ہیں کے تراجم میں اختلاف کی کیا نوعیت ہے اور اس اختلاف میں تطبیق وتوفیق کیسے ممکن ہے؟ اس مضمون میں اسی تناظر میں الفاظِ قرآنی ووجدک ضالا فھدی سے متعلق تراجم کا مطالعہ پیش نظر ہے۔

سابقہ کام کا جائزہ

اردو تراجم قرآن پر نقد وجرح کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی اردو ترجمہ قرآن کی۔ مترجمین نے پہلے تراجم میں موجود کسی کمی کو محسوس کرتے ہوئے اپنے ترجمہ میں اسے دور کرنے کی نیت سے نیا ترجمہ کیا۔[5] اکیسویں صدی کے آغاز سے کسی نئے

---

[1] اس امر میں اختلاف ہے کہ شاہ عبد القادر دہلوی کا ترجمہ قرآن اردو کا پہلا ترجمہ ہے یا شاہ رفیع الدین کا اردو ترجمہ قرآن۔ سید حمید شطاری اور ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین نے شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمہ کو پہلا طبع شدہ اردو ترجمہ قرآن قرار دیا ہے, اگرچہ شاہ رفیع الدین دہلوی کا ترجمہ پہلے لکھا جا چکا تھا مگر اس معاملہ میں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ نور الحسن راشد کاندھلوی نے مجلّہ فکر و نظر اسلام آباد کی جلد نمبر 42، شمارہ نمبر 2 میں مطبوعہ اپنے مضمون میں شاہ رفیع الدین کی طرف ترجمہ قرآن کے انتساب کو مشکوک قرار دیا ہے۔ اس لیے راقم الحروف نے شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمہ کو ہی اولیں قرار دیا ہے۔

[2] شاہ عبد القادر دہلوی (1753۔1814)، شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے بارہ سال کے اعتکاف میں "موضح قرآن" مکمل کیا۔ تذکرۃ علمائے ہند میں لکھا ہے کہ شاہ عبد القادر دہلوی نے خواب دیکھا کہ ان پر نزول قرآن ہو رہا تھا۔ اس خواب کا تذکرہ اپنے برادر اکبر شاہ عبد العزیز دہلوی سے کیا تو انہوں نے خدمت قرآن کی بشارت دی۔

[3] ڈاکٹر سید حمید شطاری، "قرآن کریم کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ-1914 تک (حیدرآباد: نظامس اردو ٹرسٹ، 1082ء)، 143۔

[4] تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد سعود عالم قاسمی، ترجمہ ﷺ رآن کے اسالیب و مشکلات (علی گڑھ: شش ماہی علوم القرآن) 2: 18:2، 43۔

[5] حافظ عطاء الرحمٰن قادری نے اپنے غیر مطبوعہ مضمون "کنز الایمان اور صدر الشریعہ" میں لکھا ہے کہ کنز الایمان کا جب آغاز کیا گیا تو اس کا تقابل پہلے سے موجود تراجم کے ساتھ کیا جاتا اور ان میں موجود کمی کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اپنے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مفاسد ترجمہ سے آگاہی کے لیے جب رسائل کافی نہ ہوئے تو میں نے ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: اشرف علی تھانوی، خطبہ تفسیر بیان القرآن (لاہور: مکتبہ رحمانیہ)، 1: 6۔

ترجمے کی بنیاد رکھنے کی بجائے پہلے سے موجود تراجم کے مابین تقابل کی طرف محققین کی توجہ مرکوز ہوئی۔اس سلسلے کے سارے تحقیقی کاموں کا احاطہ مقالہ کی طوالت کا باعث بنے گا۔اس لیے صرف چند اہم کام ذکر کیے جاتے ہیں :

ڈاکٹر شکیل اوج نے "قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ" میں تیسویں پارہ کی بیس سورتوں میں سے صرف انتیس مقامات پر بحث کی اور ان آیات کے منتخب آٹھ اردو تراجم کا بلحاظ معنویت، لغویت، ادبیت اور متفرقات تقابل کیا ہے۔اس مقالے کے نتائج یہ دیے ہیں کہ ہر مترجم نے اپنی علمی استعداد اور فکری ذوق کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔کسی مترجم کا ترجمہ کسی ایک مقام پر توزیادہ کامل نظر آتا ہے، جب کہ دوسرے مقام پر کسی اور کا ترجمہ زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔مسلمانوں میں مسلکی و مکتبی تعصب ٹھیک نہیں کیونکہ حق ان تمام کے درمیان دائر وسائر ہے۔اس لیے جس ترجمے کو بھی پسند کیا جائے اسے فہم قرآن کا ایک ذریعہ سمجھا جائے، حرف آخر یا عین حق وصواب نہ سمجھا جائے۔مزید برآں، فہمِ قرآن کے لیے کسی ایک ترجمہ کو کافی وشافی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے "اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ" کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جس میں ترجمہ کنزالایمان کے ساتھ دیگر نو[6] تراجمِ قرآن کا تقابل کیا گیا ہے۔تقابل میں منہج یہ کہ کسی ایسی آیت کا ترجمہ جس میں مصنف کے نزدیک کوئی کمزوری رہ گئی ہو اس کا تقابل کنزالایمان کے ساتھ کرتے ہیں۔اس کے نقائص بیان کرتے ہیں۔مترجم پر بے جا تنقید کرتے ہیں[7] اور پھر احمد رضا خان بریلوی کے ترجمے کے محاسن بیان کرتے ہیں۔محمد رضی الاسلام نے "ترجمہ قرآن پر رجحانات ومسالک کے اثرات" کے عنوان سے مضمون لکھا ہے جس میں نزول قرآن کا مقصد، تفسیر قرآن میں ذوق اور مسالک کی کارفرمائی، ترجمہ کی اقسام اور صحیح ترجمہ قرآن کی شرائط بیان کرنے کے بعد پندرہ معروف تراجم قرآن پر رجحانات ومسالک کے اثرات کو واضح کیا ہے۔مصنف نے امثلہ کے ساتھ ان تراجم پر نیچری، عقلی، شیعی، کلامی رجحانات وغیرہ کے اثرات کو بیان کیا ہے اور تجویز دی کہ ترجمہ کا مقصد قرآن فہمی ہونا چاہیے۔علمی موشگافیوں، سائنسی بیانات، ادبی رنگ اور رجحانات سے بالاتر ہو کر ترجمہ کرنا چاہیے۔پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس نے "ترجمہ قران کا کلامی پہلو: **ووجدک ضالاً فھدی** کے تناظر میں "کے عنوان سے مضمون لکھا ہے۔ترجمہ کا اصطلاحی مفہوم متعین کرنے کے بعد مصنف نے "ضالا" پر لغوی بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مفسرین کے ہاں اس لفظ کی تعبیرات میں تنوع ہے۔ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ کے بدلے الفاظ لانے کے ساتھ دیگر امور کا خیال بھی رکھتے ہوئے مترجمین کو ایسی تعبیر اختیار کرنی چاہیے، جس میں اعتقادی تحفظ میسر آسکے۔

سابقہ کام کے اس جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر شکیل اوج کی سفارشات کے مطابق تراجم قرآن میں اختلاف جہاں معانیِ قرآن میں وسعت پیدا کر سکتا ہے وہاں بین المسالک رواداری اور ہم آہنگی کو بھی فروغ دے سکتا ہے۔ڈاکٹر ہمایوں عباس نے

[6]ان کے نام یہ ہیں: سرسید احمد خان، مولوی عاشق علی میرٹھی، مولوی فتح محمد جالندھری، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، محمود الحسن دیوبندی، مرزا وحید الزمان، اشرف علی تھانوی، ابوالکلام آزاد، ابوالاعلی مودودی۔

[7] تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر مجید اللہ قادری (کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، 2007)، 46۔

جن مترجمین کے تراجم کا تذکرہ کیا ہے ان پر مترجمین کے اپنے حواشی بھی موجود ہیں۔ ان تراجم کے ساتھ ان حواشی کو بھی دیکھا جائے تو جو مفہوم سامنے آتا ہے اس پر عربی تفاسیر اور شان نزول کی روایات دلالت کرتی ہیں۔ مزید بر آں جب لسانی ارتقا کو سامنے رکھا جائے تو اولیں تراجم میں استعمال ہونے والے ان الفاظ میں کسی حد تک مترجم بھی معذور پایا جاتا ہے۔ جیسے جیسے اردو زبان میں وسعت آتی گئی، مترجمین نے اس لفظ کے ترجمے میں ان الفاظ کا چناؤ کیا جو اعتقادی تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں **ووجدک ضالاً فھدی** کے تحت پانچ مختلف مسالک کے نمائندہ تراجم کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان تراجم پر مترجمین کے حواشی کو بطور دلیل پیش کیا ہے[8] جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے دیگر امور کی طرح اعتقادی تحفظ مترجمین کے پیش نظر تھا۔ مزید بر آں، مترجم جس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جو بھی الفاظ لایا، اس پر بطور استشہاد عربی مفسرین اور شان نزول کی روایات پیش کی گئی ہیں۔ یہ واضح کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے کہ لسانی ارتقا کی وجہ سے مابعد مترجمین نے ایسے الفاظ کے استعمال سے بھی اجتناب کیا ہے، جو مقام نبوت ورسالت کے مناسب نہیں۔

منہج تحقیق

اس مقالہ میں سورۃ الضحیٰ کی آیت نمبر 7 کے تحت مختلف مسالک کے پانچ منتخب اردو تراجم کا تقابل کیا گیا ہے۔ شیعہ تراجم کو اس لیے نہیں لیا گیا کہ ان کا علم الکلام اہلسنت کے علم الکلام سے مختلف ہے، جس کو اس بحث میں شامل کرنا طوالت کا باعث بنتا۔ سورۃ الضحیٰ کی آیت نمبر سات میں "ضالا" پر بحث اس لیے کی گئی ہے کہ اس کی نسبت رسول اکرم ﷺ کی طرف ہے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کی طرف منسوب مباحث ایمان بالرسالت میں آتی ہیں۔ مختلف عربی و اردو لغات سے کلامی بحث کے حامل لفظ کے معانی تلاش کیے گئے ہیں۔ عربی تفاسیر، سیاق کلام اور اردو زبان کے ارتقا کی روشنی میں ان الفاظ کے مابین اختلاف کو تطبیق وتوفیق میں بدلنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیرِ نظر موضوع پر تراجم کا جائزہ

اب زیرِ نظر موضوع پر منتخب تراجم کا مطالعہ کی طرف آتے ہیں۔ **ووجدک ضالاً فھدی**[9] کے تراجم ان مختلف مترجمین نے کچھ یوں کیے ہیں:

شاہ عبد القادر دہلوی: اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ دی (دکھائی)؟

اشرف علی تھانوی: اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت کا) راستہ بتلادیا۔

احمد رضا خان: اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

---

[8] جہاں تک دور حاضر میں براہ راست ترجمہ قرآن سے اکتساب کرنے کا تعلق ہے تو اب اعتقادی تحفظ کی فراہمی کی اہمیت دو چند ہو گئی ہے۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر ہمایوں عباس کی تجویز مناسب ہے۔ مگر جن تراجم کی بات کی جارہی ہے یہ اس دور کے ہیں جب ترجمہ قرآن کے جواز اور عدم جواز کی بحثیں پائی جاتیں تھیں۔

[9] الضحیٰ 93:7۔

محمد جوناگڑھی: اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی؟

جاوید احمد غامدی: راستہ ڈھونڈتے دیکھا تو راستہ دکھایا؟

ووجدک ضالاً فھدی میں لفظ "ضالا" کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے۔ ابن منظور افریقی نے ضال کو ہدایت یافتہ کی ضد قرار دیا ہے۔[10] امام راغب نے یہ نکتہ تحریر کیا ہے کہ ضلال کی نسبت انبیا علیہم السلام کی طرف بھی ہوتی ہے اور کفار کی طرف بھی، اگرچہ دونوں کے ضلال میں بہت فرق ہے۔[11] تفسیر نمونہ کے مؤلفین لکھتے ہیں کہ ضال لغت کے لحاظ سے دو معانی کے لئے آیا ہے: گم شدہ اور گم راہ، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ "**الحکمة ضالة المؤمن**"۔ اسی طرح یہ مخفی اور غائب کے معنی میں بھی مستعمل ہے، جیسا کہ سورہ سجدہ کی آیت نمبر 10 میں آیا ہے کہ منکرانِ معاد کہا کرتے تھے: **اذاضـــــــللنافی الارضءانـالفی خلـق جدیـد** کہ جب ہم زمین میں پنہاں اور غائب ہو جائیں گے تو پھر ایک نئی خلقت اختیار کریں گے۔[12]

امام فخر الدین رازی نے "ضالاً" کی بیس کے قریب تعبیرات و تفسیرات نقل کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1۔ جب دودھ پانی میں مخلوط ہو جائے تو اہل عرب کہتے ہیں "**ضـلّ المـاء فی اللـبن**" (پانی دودھ میں گم ہو گیا) تو پھر آیت کا مفہوم یوں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفر کے معاشرے میں مخلوط پایا تو آپ کو قوت دے دی اور آپ کے دین کو غالب کر دیا۔

2۔ "ضال" کا معنی منفرد اور یکتا بھی ہے۔ جنگل میں جو درخت تنہا اور منفرد ہو، اہل عرب اس کو "**شـــجرة ضــــلالة**" کہتے ہیں، اس اعتبار سے اس آیت میں آپ کو "ضال" فرمایا ہے، یعنی دنیا کے یہ تمام شہر ایسے جنگل کی طرح ہیں جس میں سوائے آپ کے کوئی ایسا درخت نہ تھا جس میں توحید کے پھول کھل رہے ہوں، اور معرفتِ الٰہی کے پھل بہار دے رہے ہوں۔ سو اس جہل اور کفر کے جنگل میں آپ ہی منفرد درخت تھے تو میں نے آپ سے مخلوق کو ہدایت دی، اس کی نظیر یہ حدیث ہے: الحکمة ضالة الحکیم۔ حکمت حکیم کا منفرد ثمر بار درخت ہے۔

3۔ ضال "کے معنی معرفت سے عاری ہونے کے بھی ہیں۔ جب آپ ایامِ طفولیت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو "ضال" پایا یعنی علوم اور معارف سے خالی پایا، نہ کہ گمراہانہ عقائد کا حامل، تو آپ میں عقل، معرفت اور ہدایت پیدا فرمائی، جیسا سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَاللّٰہ اَخْـرَجَکُمْ مِّـنْ بُطُـوْنِ اُمَّھٰـتِکُمْ لاَ تَعْلَمُـوْنَ شَـیْئاً وَّجَعَـلَ لَکُمْ السَّـمْعَ وَالْاَبْصَارَوَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ**(النحل:۷۸)" اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اسی نے تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر ادا کرو۔"

---

[10] جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور، لسان العرب، (بیروت: دار صادر، س ن)، 11: 390۔

[11] راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن (بیروت: الدار الشامیہ، 1430ھ)، 510۔

[12] ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، مترجم؛ صفدر حسین نجفی (لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، س ن)، 10: 707۔

4۔ اس آیت میں "ضال" کا اسناد آپ کی قوم کی طرف ہے۔ بعض او قات قوم کے سر دار سے خطاب ہو تا ہے اور اس سے مر اد اس کی قوم ہوتی ہے۔ پس اس آیت کا معنی ہے کہ آپ کی قوم کو گمراہ پایا تو اس کو ہدایت دی۔[13] اسی نکتے کے متعلق امام ابو حیان اندلسی سے منقول ہے کہ ایک رات انھوں نے خود کو خواب میں اس آیت کی ترکیب پر غور کرتے ہوئے پایا اور ان کے دل میں خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور اصل میں عبارت یوں ہے: **ووجد رهطک ضالاً فهدا بک۔** پھر میں نے کہا کہ جس طرح **واسئلوالقریة** اصل میں **واسئلوااهل القریة** ہے، اور "اہل" جو مضاف ہے محذوف ہے اسی طرح یہاں "**رهـــط**" محذوف ہے۔ لہٰذا ان کا استدلال ہے کہ یہاں ضلال، ہدایت کے مقابل نہیں ہے۔ **ضـــالالایمکن حمله علی الضلال الذی یقابله الهدی لان الانبیاء معصومون من ذلک۔**[14]

امام قرطبی مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد درج بالا نکات میں دوسرے نکتے کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ تمام اقوال اچھے ہیں، ان میں سے کچھ معنوی ہیں اور کچھ حسی۔ آخری قول انھیں سب سے پسند ہے، کیونکہ یہ ان کے ہاں تمام اقوال معنویہ کو جامع ہے۔[15] امام رازی نے یہ بھی لکھا ہے کہ **فقداتفقو علی انه علیه السلام ماکفر بالله لحظة واحدة۔**[16]

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ "ضالا" کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے۔ اگر اس کی نسبت غیر نبی کی طرف ہوتی تو اس کا لفظی معنی بھی مر اد لیا جا سکتا تھا، مگر نسبت جب نبی پاک ﷺ کی طرف ہوئی تو معنی کی تعیین میں احتیاط لازم ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں لحظہ بھر کے لیے کفر اختیار نہیں کیا۔

ان تمام تعبیرات سے یہ واضح ہو تا ہے قدیم مفسرین نے ضالا کی وہی تعبیر پسند کی ہے، جس میں عصمت نبوت ورسالت کی ضمانت ہے اور ایسی تمام تعبیرات کو مر دود ٹھہرایا ہے جن سے عصمت نبوت ورسالت پر حرف آتا ہے۔ قدیم مفسرین کے اس عمل سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ ترجمہ قرآن میں بھی ایسے الفاظ کا استعمال جن سے آیت کے کلامی پہلوؤں میں اعتقادی تحفظ مہیا ہو سکے، کرنا مفید ہے۔ زیر نظر تراجم میں ضالا کے لیے درج ذیل الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

شاہ عبد القادر دہلوی: بھٹکتا، اشرف علی تھانوی: (شریعت سے) بے خبر پایا، احمد رضا خان: محبت میں خود رفتہ، محمد جونا گڑھی: راہ بھولا، جاوید احمد غامدی: راستہ ڈھونڈتے دیکھا۔

ان تراجم قرآن میں استعمال کیے گئے مذکورہ الفاظ میں جو اجمال ہے اس کی تفصیل تو وہی مانی جائے گی جو مصنف نے خود کی ہے۔ شاہ عبد القادر دہلوی نے "بھٹکتا" کی تشریح یوں کی ہے کہ "جب حضرت جوان ہوئے قوم کی رسم وراہ سے بیزار تھے

---

[13] محمد بن عمر فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1401ھ)، 31: 217-218۔

[14] ابو حیان اندلسی، محمد بن یوسف، البحر المحیط (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1413ھ)، 8: 481۔

[15] قرطبیؒ، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1427ھ)، 22: 346۔

[16] الرازی، مفاتیح الغیب، 31: 217۔

اور اپنے پاس کوئی رسم وراہ نہ تھی اللہ نے دین حق نازل کیا۔"[17] اشرف علی تھانوی نے "(شریعت) سے بے خبر" کی تشریح یوں کی ہے کہ " کقولہ تعالیٰ ما کنت تدری ماالکتاب ولا الایمان اور وحی سے پہلے شریعت کی تفصیل معلوم نہ ہونا کوئی منقصت نہیں۔"[18] جاوید احمد غامدی نے "راستہ ڈھونڈتے دیکھا" کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " گویا" ضَلَّ " یہاں "**لم یھتد الی الطریـــــق**" کے معنی میں ہے، اس لیے ضَآلّ کا ترجمہ گمراہ نہیں، بلکہ جویائے راہ کرنا چاہیے۔ یعنی وہ شخص جو راستے کی تلاش میں سرگرداں ہو، لیکن اس کا کوئی سراغ اسے نہ مل رہا ہو۔ عرب میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے پہلے دین حنیفی کے سب پیرو اسی صورت حال سے دوچار تھے۔ تاریخ کی روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ وہ حرم کی دیواروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور بڑی حسرت کے ساتھ کہتے تھے: پروردگار، ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طرح کریں، ورنہ اسی طرح کرتے۔"[19] احمد رضا اور جوناگڑھی نے اپنے تراجم پر کوئی تفسیری نوٹ نہیں دیا۔ اس لیے ان کی تفہیم کے لیے ضالا کی تعبیرات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ تعبیر بھی کی ہے کہ **الضـلال بمعـنی المحبة کما فی قوله (انک لفی ضلالک القدیم)ای محبتک،معناه انک محب فهدیتک الی الشرائع التی بها تتقرب الی خدمة محبوبک**[20] احمد رضا نے ضالا کا جو ترجمہ کیا ہے وہ اس تعبیر پر محمول ہو سکتا ہے۔ مزید بر آں احمد رضا کی بیان کردہ تعبیر کو اس مفہوم پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ **حَـتَّى حَـزِنَ النَّـبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا بَلَغَنَا حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا كَيْ يَتَرَدَّى مِنْ رُؤُوسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ فَكُلَّمَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ لِكَيْ يُلْقِيَ مِنْهُ نَفْسَهُ تَبَدَّى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ حَقًّا فَيَسْكُنُ لِذَلِكَ جَأْشُهُ وَتَقِرُّ نَفْسُهُ فَيَرْجِعُ**[21] " یہاں تک کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان واقعات سے جو ہم کو معلوم ہوئے اس قدر غمگین ہوئے کہ متعدد بار بلند چوٹی پر سے اپنے آپ کو گرا کر ہلاک کر دینا چاہا، جب بھی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے کہ اپنے آپ کو گرا دیں تو جبرائیل ظاہر ہوئے اور کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اس سے آپ کا جوش سرد پڑ جاتا اور طبیعت کو سکون ملتا اور واپس تشریف لے آتے۔"

کسی غم کی وجہ سے پہاڑ سے کودنے کی کوشش کو ہمارے عرف میں اقدام خودکشی کہا جاتا ہے۔ راقم الحروف کے مطابق وحی کا وقفہ وقفہ سے آنے نے طبیعت مبارکہ میں اس قدر خود رفتگی کا پیدا کر دی کہ خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کا کلام سننے سے جو لذت اور چاشنی آپ کو نصیب ہوئی اس سے طبیعت میں وارفتگی پیدا ہو گئی۔ جب وحی

---

[17] شاہ عبدالقادر دہلوی، مستند موضح قرآن، تصحیح و تشریح؛ اخلاق حسین قاسمی (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، 1991ء)، 777۔

[18] مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن)، 3 : 665۔

[19] جاوید احمد غامدی، البیان (لاہور: المورد، 2018)، 5: 480 ۔

[20] الرازی، مفاتیح الغیب، 11 : 218۔

[21] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، 9: 30۔

کا سلسلہ منقطع ہوا تو یہ فراق اس قدر بڑھا کہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہ رہی۔ اس حالت کو "ضالا" سے تعبیر کیا گیا ہو اور ہر مرتبہ جناب جبریل علیہ السلام کا رسالت کی تصدیق کرنے کو ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہو۔

مولانا محمد جونا گڑھی نے ضالا کے ترجمہ میں جو "راہ بھولا" کے الفاظ استعمال کیے ہیں ان کو اس روایت پر محمول کیا جا سکتا ہے: **انه علیه السلام لما خرج مع غلام خدیجه میسرة أخذ کافر بزمام بعیره حتی ضل،فانزل الله تعالی جبریل علیه السلام فی صورة آدمی،فهداه الی القافلة۔**[22] دوران سفر راستہ بھول جانا اور کسی اور سمت میں چل نکلنا، عصمت نبوت ورسالت کے منافی نہیں ہے۔

سورۃ الضحیٰ مکی ہے۔ اس کی ابتدائی تین آیات کے شان نزول کے متعلق تین مختلف روایات ہیں جن میں ایک مشترک بات یہ ہے کہ چند دن وحی نہ آنے کی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام سے کہا گیا کہ لگتا ہے آپ کے صاحب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ جس کے جواب میں سورۃ الضحیٰ کی ابتدائی تین آیات کا نزول ہوا۔ چوتھی آیت میں ہر مابعد ساعت کے گزشتہ ساعت سے بہتر ہونے اور پانچویں آیت میں اظہار رضا تک وعدہ اعطا کا بیان ہے، جن سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ان آیات کا زمانہ نزول اعلان نبوت کے فوراً بعد کا ہے۔

سورۃ الضحیٰ کی ابتدائی پانچ آیات میں اعلان نبوت کے بعد ابتدائی طور پر پیش آنے والی صورتِ حال کی طرف اشارہ ہے، جب کہ "**الم یجدک یتیما فاوی**" اور "**ووجدک ضالا فهدی**" میں ماضی کے حالات کی مثالیں دیتے ہوئے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اے محبوب مکرم علیہ السلام، اگر بچپن میں ہم نے آپ کو حالت یتیمی میں نہیں چھوڑا اور اپنی آغوش رحمت میں لیا اور جب تجھے اپنی تلاش میں سرگرداں پایا تو اپنی رحمت کی طرف متوجہ کیا تو آپ اب بھی کبیدہ خاطر نہ ہوں، اسی طرح آج بھی تیری راہنمائی کے لیے ہم موجود ہیں۔

اس بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "**ووجدک ضالا فهدی**" کا نزول اگرچہ اعلان نبوت کے بعد کا ہے، مگر اس میں صغر سنی کے کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ واحدی[23] نے **ووجدک ضالا فهدی** کے اسباب نزول کے متعلق حضرت ابن عباس سے مروی ایک روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے ایسا سوال کیا جس کے متعلق میری خواہش یہ ہے کہ کاش میں وہ سوال نہ ہی کرتا۔ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! تم نے مجھ سے پہلے انبیا کے لیے ہوا مسخر کی اور حضرت سلیمان بن داود کا نام لیا، ان میں سے کوئی مردوں کو زندہ کرتا تھا اور عیسی بن مریم کا نام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **الم یجدک یتیما فاویتک**، تو میں نے کہا: جی میرے رب، فرمایا "**الم اجدک ضالا**

---

[22] الرازی، مفاتیح الغیب،11 :217۔

[23] علامہ ابو الحسن علی بن احمد بن محمد علی واحدی نیشاپور میں پیدا ہوئے اور 468ھ میں نیشاپور میں ہی وفات پائی۔ عقائد میں اشعری اور فقہ میں شافع المسلک تھے۔ آپ کا شمار ماہرین علوم تفسیر میں کیا جاتا ہے۔ تفسیر میں الوجیز، البسیط، اور اسباب النزول آپ کی معرکۃ الآراء تصانیف ہیں۔

فھدیتک۔۔۔ الخ"[24] یہ روایت اور ربط آیات اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ضلالت سے ھدایت کا سفر بھی اسی دور میں ہوا جب یتیمی سے اپنی پناہ میں لیا گیا۔ مزید بر آں روایت میں انداز سوال بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال پر ایسی انعامات کا تذکرہ کر رہا ہے، جن کا وقوع ماضی میں ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت کی تعبیرات میں سے ایک تعبیر یہ بھی بیان کی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دور جاہلیت میں لوگوں کے اعمال کی مطابقت صرف دو مرتبہ کی اور ان دو مرتبہ ہی اللہ تعالی میرے اور میرے اس فعل کے مابین حائل ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے کبھی بھی برائی کا ارادہ نہیں کیا ،۔ یہاں تک کہ اللہ نے مجھے رسالت کے ساتھ تکریم بخشی۔[25] اس روایت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ دور جاہلیت میں ایسا وقت بھی آیا جب جناب رسالت مآب نے دور جاہلیت کے لوگوں کی پیروی کرنے کا خیال آیا مگر اللہ تعالی نے آپ کو محفوظ رکھا۔ اسی امر کی طرف اشارہ امام ماتریدی نے بھی کیا ہے کہ " **لولا انه هداك؛والا وجدك ضالا لولم يهدك ، ففيه انه هداه ولم يجده ضالا**" یعنی اگر اللہ تعالی آپ کو ہدایت نہ دیتا تو آپ "ضال" ہوتے۔[26] گویا ہدایت سے مراد یہ ہے کہ آپ کو قوم کی گمراہی سے محفوظ رر کھا اور فطرت پر ہی قائم رکھا۔ اسی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بکریاں چرانے کا بھی تذکرہ ہے۔ آپ نے حضرت ابو طالب کی کفالت میں آنے کے بعد کسبِ معاش کے لیے بکریاں چرائیں جو کہ اس امر کی طرف دال ہیں۔ اس روایت کا تعلق بھی صغر سنی یا لڑکپن سے ہے۔ ان تمام روایات سے بالاتفاق یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی لحظہ بھی کفر اختیار نہیں کیا۔ اللہ تعالی کی ہدایت سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو گمراہی سے محفوظ رکھا۔

شاہ عبد القادر کے ترجمہ سے تنقیص کا شائبہ پڑتا ہے، مگر یہ ملحوظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ شاہ عبد القادر دہلوی نے جس دور میں ترجمہ قرآن کیا تب اردو کو ہندی[27] سے تعبیر کیا جاتا تھا اور اردو کے دامن میں اس قدر وسعت نہیں تھی، مزید بر آں مرورِ زمانہ کے ساتھ الفاظ میں شدت یا نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے "لونڈا" دہلی میں مروج ایک لفظ تھا، مگر ہمارے عرف میں یہ گالی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں "غلام" لڑکے اور زر خرید انسان کے لیے مستعمل تھا مگر آج صرف زر خرید انسان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ شاہ عبد القادر دہلوی (جن کی دینی فراست وللّٰہیت دہلی میں مسلم

---

[24] علی بن احمد واحدی، اسباب النزول (دمام: دارالاصلاح، 1992)459،۔

[25] الرازی، مفاتیح الغیب، 11: 218۔

[26] ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی، تاویلات اہل السنۃ المعروف بہ تفسیر الماتریدی (بیروت: دارالکتب العلمیہ، 2005)،10: 561۔

[27] شاہ عبد القادر دہلوی نے اپنے ترجمہ کی زبان کو "ہندی" کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: شاہ عبد القادر، مقدمہ مستند موضح قرآن، 32۔

تھی،[28] اور ان کی اپنی وضاحت میں بھٹکنے سے مراد کافر ہونا نہیں بلکہ راہ ورسم سے بے زاری ہے) کی وجہ سے ہمیں اس بات کی گنجایش نکالنی ہوگی کہ ترجمہ میں فرق کی وجہ تعبیراتی تنوع اور اردو ادب کے دامن میں ذخیرہ الفاظ کی کمی ہے۔
مولانا اخلاق حسین قاسمی[29] شاہ عبد القادر دہلوی کے بیان کردہ تفسیری فوائد پر یوں حواشی مرتب کرتے ہیں:" پایا تجھ کو بھٹکتا۔ یعنی تلاش حق میں سرگرداں وحیران۔ یہاں ضلال گمراہی کے مفہوم میں نہیں۔" مولانا ابو الکلام آزاد کے یہ الفاظ بھی اسی حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ شاہ عبد القادر نے اس وقت قرآن مجید کا ترجمہ کیا جب اردو زبان بالکل طفولیت کی حالت میں تھی، ایسا کام وہی لوگ کرسکتے ہیں جو زبان کے ڈھالنے والے ہوتے۔[30]
یوں درحقیقت کسی مترجم نے بھی دانستہ طور پر ترجمہ میں ایسے الفاظ استعمال نہیں کیے جو مقام نبوت ورسالت کے منافی محسوس ہوں، البتہ مابعد وہ مترجمین جنھوں نے زیادہ محتاط الفاظ استعمال کیے ہیں ان کی کاوش بھی بلاشبہ لائق صد تحسین ہے۔ ذیل میں اسی آیت کے تحت مختلف ادوار کے تراجم کو بطور مثال ایک نظر پیش کیا جارہاہے تاکہ ان پر لسانی ارتقاء کے اثرات کو ملاحظہ کیا جاسکیں:

مترجم / مفسر	سن تکمیل	ترجمہ آیت
شاہ عبد القادر دہلویؒ	1790ء	اور پایا تجھ کو بھٹکتا، پھر راہ دی (دکھائی)؟
شاہ رفیع الدین	1800ء	اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی
ثناء اللہ امرتسریؒ	1895ھ	اور تمھیں بے خبر پایا تو رہنمائی کی
ڈپٹی نذیر احمد	1898ء	اور تم کو دیکھا کہ [راہ حق کی تلاش میں بھٹکے] بھٹکے [پھر رہے ہو تو [تم کو دین اسلام] کا سیدھا رستہ دکھادیا۔
مولانا عبد الحق حقانی	1899ء	اور اس نے تمھیں حیران پایا پھر تمھاری رہنمائی کی۔
فتح محمد جالندھری	1900ء	اور تمہیں رستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا رستہ دکھایا۔
احمد رضا خان بریلوی	1912ء	اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔
اشرف علی تھانوی	1925ء	اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت کا) راستہ بتلادیا۔
محمود حسن دیوبندی	1925ء	اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی۔

---

[28] شاہ عبد القادر ایک گوشہ نشیں اور شب زندہ دار شخصیت تھے۔ دہلی میں لوگوں میں آپ کا چہرہ آپ کے جنازہ میں دیکھا تھا۔ مزید برآں آپ سلسلہ نقشبندیہ میں شیخ عبد العدل سے بیعت تھے۔

[29] مولانا اخلاق حسین قاسمی نے دار العلوم دیوبند کے فاضل اور جامعہ رحیمیہ دہلی میں تفسیر کے استاد ہیں۔ آپ نے بارہ سال میں موضح قرآن کے پندرہ مختلف مخطوطات سے نقل کرکے جدید خطاطی کے ساتھ مستند موضح قرآن شائع کیا اور شاہ صاحب کے تفسیری فوائد پر حواشی بھی مرتب کیے ہیں۔

[30] شاہ عبد القادر، مقدمہ مستند موضح قرآن، 42۔

مولانا ابوالکلام آزاد 1931ء اے پیغمبر ہم نے دیکھا کہ ہماری تلاش میں ہو، ہم نے خود ہی تمھیں اپنی راہ دکھلا دی۔
ابوالاعلی مودودی 1951ء اور تمھیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔
عبدالماجد دریا آبادی 1952ء اور آپ کو بے خبر پایا، سو راستہ بتا دیا۔
مولانا محمد جونا گڑھی 1954ء اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی۔
پیر محمد کرم شاہ 1964ء اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔
مولانا حنیف ندوی 1966ء اور تجھے رستہ نہ جانتا پایا سو (تجھے) رستہ دکھایا۔
حامد حسن بلگرامی 1968ء اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (سرگشتہ شوق، وادی عشق الٰہی میں) سرگرداں پایا تو (اس نے) آپ کو منزل مقصود پر پہنچایا (غار حرا سے اٹھا کر تبلیغ کے فرائض سونپے کہ دنیا اپنے ہادی کو دیکھے، ہدایت پائے)۔
غلام احمد پرویز 1970ء پھر کیا یہ بھی واقعہ نہیں کہ تو تلاش حقیقت میں حیران و سرگرداں پھر رہا تھا، تو اس نے بذریعہ وحی صحیح راستے کی طرف تیری راہ نمائی کر دی؟
غلام رسول سعیدی اور آپ کو حب کبریا میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغ دین کی طرف متوجہ کیا۔
ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ وگم پایا تو اس نے مقصود تک پہنچا دیا۔

مذکورہ بالا تراجم کو اگر ایک نظر ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "بھٹکتا" کا لفظ صرف شاہ عبد القادر نے استعمال کیا ہے۔ بعد ازاں مترجمین نے اس لفظ کے استعمال سے اجتناب کیا۔ ڈپٹی نذیر احمد نے بھی قوسین میں [پھر رہے] کے لفظ استعمال کر کے اس کی تلخی کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا محمود حسن دیوبندی نے بھی "بھٹکتا" لکھا ہے، جس کے متعلق یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ چونکہ مولانا نے از سر نو کوئی ترجمہ نہیں کیا بلکہ شاہ عبد القادر کے ترجمہ میں متروک الفاظ و محاورات کی جگہ نئے الفاظ کو رکھا ہے۔[31] ممکن ہے انھوں نے "بھٹکتا" کو مستعمل ہونے کی وجہ سے تبدیل نہ کیا۔ مگر کلامی پہلو کو سامنے نہ رکھ سکے۔

قرآن کریم کے اولیں مخاطب حضور ﷺ ہیں۔ اس آیت میں خطاب بھی نبی اکرم ﷺ سے کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے محبوب کو کس پیرائے میں مخاطب کیا ہے؟ یہ معرفت تو حضور اکرم ﷺ کو ہی ہے، امت کو اس کی سمجھ بوجھ آیت کے شانِ نزول، لغت اور ان تعبیرات سے ہی ہو سکتی ہے۔ اس لیے ترجمہ کاری میں الفاظ کے بدلے الفاظ لاتے ہوئے قرآنی اعجاز، ربط قرآن، عربی زبان وادب کی جامعیت و سعت، اور دیگر خصائص متنِ قرآن کو ترجمہ میں ڈھالنا بلاشبہ ایک بڑی کاوش ہے اور تحسین آمیز ہے، مگر جس طرح تفسیری مواد میں ایسی روایات جو ایمان باللہ اور ایمان بالرسالۃ کے

---

[31] تفصیل کے لیے دیکھیے: مولانا محمود حسن دیوبندی، مقدمہ ترجمہ قرآن (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، 1998)، 5۔

تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں ان کو مردود ٹھرایا جاتا ہے،[32] اور جدید مفسرین بھی ان روایات کو اپنی تفاسیر میں درج کرنے سے نہ صرف اجتناب کرتے ہیں بلکہ ان سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح دور حاضر میں جب قرآن فہمی کے لیے براہ راست ترجمہ قرآن سے بھی مدد لی جارہی ہے تو پھر مترجم کی ذمہ داری بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ تعبیرات کے چناؤ میں ایسی تعبیر کا چناؤ نہ کرے، جو مقام الوہیت و نبوت کے تقاضوں سے مناسبت نہ رکھتی ہو۔ مزید برآں یہ پہلو بھی زیر غور رہنا چاہیے کہ تفسیری ادب میں ایسی روایات جو مقام الوہیت و نبوت کے تقاضوں کے منافی ہیں، کے باوجود بھی ان کتب تفسیر سے دیگر فنی مباحث میں استفادہ کیا جاتا ہے۔ مثلا علامہ زمخشری [33] کو انبیا کے بارے میں زبان طعن دراز کرنے والا بھی سمجھا جاتا ہے اور لغوی مسائل میں اس سے استفادہ بھی کیا جاتا ہے، لہذا کلامی مباحث والی آیات کے تراجم میں ایسے الفاظ جو اعتقادی تقاضوں کے مطابق نہ ہوں، مگر دیگر فنی مباحث کے اس ترجمہ میں موجود ہونے پر ان سے استفادہ کرنے میں کوئی منقصت نہیں ہونی چاہیے۔

نتیجہ بحث

ترجمہ کا مقصد قرآن فہمی ہے جس سے عقائد واعمال میں حسن آتا ہے۔ کسی بھی ترجمہ کو حرف آخر یا عین ثواب نہیں سمجھنا چاہیے۔ "ضالا" کے تراجم میں اختلاف تعبیراتی تنوع کی وجہ ہے اور منتخب تمام مترجمین کا ایمان اس بات پر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی زندگی میں لمحہ بھر کے لیے بھی کفر نہیں کیا۔ تمام تعبیرات کو ایک ہی ترجمہ میں سمونا ناممکن ہے۔ تراجم قرآن کے اختلاف میں تطبیق وتوفیق پیدا کر کے بین المسالک رواداری اور ہم آہنگی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ **ووجدک ضالا فھدی**" کا زمانہ نزول تو اعلان نبوت کے بعد کا ہے مگر اس سے جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کے متعلق متعدد آرا موجود ہیں۔ اگر اس آیت کا تعلق زمانہ صغر کے ساتھ بیان کیا جائے تو تراجم میں تطبیق پیدا کرنا آسان ہو سکتا ہے۔ اگر کہیں ایسے الفاظ استعمال ہو گئے جن کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ یہ مقام نبوت ورسالت کے مناسب نہیں تو ان الفاظ پر غور کرنا چاہیے۔ ممکن ہے مرور زمانہ سے اس لفظ کی تلخی میں اضافہ ہوا ہو اور بعد میں اسے معزز شخصیات کے لیے متروک کر دیا ہو۔ کسی بھی مترجم کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ترجمہ کرتے ہوئے گستاخی کی گئی ہے، یہ قرین انصاف نہیں۔ کیونکہ کسی بھی مترجم نے دانستہ یہ کام نہیں کیا۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ "ضالا" کے ترجمہ میں بہتری آئی ہے اور مترجمین نے ایسے الفاظ کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی ہے، جو مقام نبوت ورسالت کے منافی محسوس ہوتے ہوں۔

---

[32] **ذکر ابن ابی حاتم وابن جریر ہٰہنا آثارا عن بعض السلف احببنا ان نضرب عنھا صفحا لعدم صحتھا فلا نوردھا**۔ عمادالدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1419ھ) 6: 378۔

[33] علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر بن محمد خوارزمی زمخشری معتزلی [467ھ۔ 538ھ] ممتاز عالم، مفسر جو تفسیر کشاف کے مولف ہیں۔ آپ نے اپنی تفسیر میں علوم عربیت کو اس قدر عمدہ طریقہ سے جمع کیا ہے کہ یہ علوم ادبیہ میں ایک سند شمار ہوتی ہے۔